© rasailojaraid.com

مذہب شامانزم'' کے پیرو کار تھے [۱۵۳]۔

یہاں دو باتوں کی طرف اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اولاً یہ کہ یہ ''شامان'' آج کے ہمارے زمانے اور خود ہمارے ''مسلمان پاکستانی معاشرے'' کے پیروں کی طرح جاہل عوام کو ٹھگنے اور ان سے پیسے بٹورنے کے لئے اسلام اور اللہ کے محبوب بندوں سے تعلق اور اپنے متعلق ''پہنچے ہوئے بزرگ'' ہونے کا تاثر دیتے تھے اور یوں اسلام اور اللہ کے بندوں سے محبت کے عوامی جذبات سے ناجائز فائدہ اٹھاتے تھے۔ عوام میں ان کی کشش کا سبب صرف اور صرف ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ، حضرت محمدؐ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت داود علیہم السلام اور مقامی مسلمان مرحوم بزرگوں اور صلحاء کی ارواح کو پکار کر پھونکیں مارنے کے ذریعے تمام بیماریوں کا علاج کرنے کے دعوے تھے [۱۵۴]۔ اگرچہ اس سے یقینی طور پر اسلامی تعلیمات سے قازق عوام کی بے خبری اور عقیدے کی کمزوری کا پتہ چلتا ہے تاہم ان کے اس عمل کے نتیجے میں ان کو اسلام کی بجائے ''شامانزم'' یا شامانی مذہب کا پیرو کار کہنا ان پڑھ اور گنوار اسلامی معاشروں میں رائج خلاف اسلام رسوم ورواج سے ناواقفیت پر ہی محمول کیا جا سکتا ہے۔

ثانیاً قازقوں کی خانہ بدوش طرز معاشرت میں طبیبوں کی عدم دستیابی (یا کم دستیابی) کی بنا پر ان کے پاس ان شامانوں کی طرف رجوع کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ تاہم اس کے باوجود وہ شامانوں (پیروں) کی طرف رجوع کرنے کے ساتھ ساتھ علماء اور تبلیغی اغراض سے گردش کرنے والے واعظین (itinerant mullahs) سے قرآنی آیات پر مشتمل تعویذوں کے حصول کو بھی بیماریوں، بدروحوں اور نظر بد سے حفاظت کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ کسی بیمار کے علاج کے لئے بیک وقت پیر اور عالم کی خدمات حاصل کرنا قازقوں کا عمومی طرز عمل تھا [۱۵۵]۔ مزاروں پر جانا اور صاحب مزار کے وسیلے سے شفایابی کے حصول کی خواہش، مقبروں کی تعظیم، اور مشہور مزارات والے مقبروں میں دفن کیے جانے کو اخروی نجات کا ذریعہ سمجھنا [۱۵۶]، صحیح اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت تو کہلا سکتا ہے لیکن جہالت پر مبنی ان غلط رسوم کو ایک مستقل مذہب کے طور پر پیش کرنا یقیناً زوال پذیر اسلامی معاشروں کی غلط تصویر کشی ہے [۱۵۷]۔

زمانہ قبل از استعمار کا قازق سیاسی نظام

خانہ بدوش قازقوں کا سیاسی نظام خاندان، خانوادے، قبیلے اور ژوز (لشکر) کی وحدتوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی سطحوں پر بالترتیب سردار، بیگ، سلطان اور ماتحت خانوں سے عبارت تھا۔ خانہ بدوشی کی زندگی کا خاصہ ہے کہ اوپر سے مسلط کردہ چودھراہٹ کو کراہت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور حتی المقدور، شخصی آزادی برقرار رکھنے کے لیے، متسلطانہ نظام کی مزاحمت کی جاتی ہے تاہم اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے (جیسا کہ روسیوں اور مغربی تاریخ نگاروں نے قازق معاشرے کی تصویر کشی کی ہے) کہ وہ انارکی کی زندگی گذارتے تھے۔ قازقوں کا سیاسی اور قانونی نظام قبائلی رسم و رواج پر مبنی تھا اور حقیقت یہ ہے کہ قبائلی جرگہ سسٹم معاشرہ میں انارکی اور بدنظمی کے خاتمہ میں انتہائی موثر کردار ادا کرتا ہے۔ خود ہمارے پاکستانی قبائلی علاقوں میں یہ سیاسی اور قانونی نظام آج تک برقرار ہے اور یہاں بڑوں اور معززین کے فیصلے اولاً تو انتہائی منظم تحقیقات اور ان معززین کی ذاتی دلچسپی (personal involvement) کا نتیجہ ہوتے ہیں اور ثانیاً ان فیصلوں کی حیثیت تقریباً اجماعی ہوتی ہے جن کی بنا پر ان کا نفاذ پورے قبیلے کی مشترکہ ذمہ داری ہوتی ہے۔ پٹھان قبائل کے رواجی قانون ''پشتو'' کی طرح قازقوں کے رواجی قانون کو ''عادت'' (بمعنی established norm) کہا جاتا تھا۔ اس نظام کے نفاذ کے لئے جو انتظامی اور قانونی ڈھانچہ ہوتا تھا وہ بھی ہمارے پٹھان قبائل کے ملکوں اور معززین کے ''جرگہ سسٹم'' سے مشابہ ہوتا تھا۔

ہر قازق اول کو اپنے اندرونی اختلافات کے تصفیے اور دیگر اولوں کے ساتھ تعلقات میں نمائندگی کے لئے ایک لیڈر کی ضرورت ہوتی تھی۔ اول کی سطح پر ایسے لیڈر کو چھوٹا بیگ (پشتو: وڑوکی خان) کہتے تھے جبکہ طائفے یا خانوادے کی سطح کے ایسے لیڈر کو بڑا بے (یا بیگ) کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ (پٹھانوں میں خانوادے کی سطح کے اس طرح کے لیڈر کو لوئی خان کہتے ہیں)۔ خود اول کے اندر مختلف شاخوں کی سربراہی اقسا قالوں (سفید ریش بزرگوں) کے سپرد ہوتی تھی جو چھوٹے بے اور بڑے بے کے مشیروں کے فرائض بھی انجام دیتے تھے اور اول کے چھوٹے بڑے جھگڑوں کے فیصلے خود کرنے کے بھی روادار ہوا کرتے تھے۔ بسا اوقات اولوں کے ایک متحدہ مجموعے (طائفے) کے لیڈر کو بھی چھوٹا بے کہا جاتا تھا۔ اور قبیلے کی سطح پر سردار کو بڑا بے کہا جاتا تھا۔ چھوٹے بے، بڑے بے اور اقسا قال کے عہدے اگرچہ نظری طور پر موروثی ہوتے تھے تاہم عملاً یہ عہدے قبیلے، اول یا طائفے کے کسی بھی ایسے شخص کے پاس خود کار انداز سے منتقل ہو جایا کرتے تھے جو مصالحت کاری اور جنگوں میں اپنی ذہانت اور شجاعت و بہادری کا لوہا منوا لیتے تھے۔ اس صورت میں متعلقہ اول، قبیلہ یا طائفہ اپنی وفاداری فوری طور پر ایسی شخصیت سے وابستہ کر لیتے تھے، تاہم لیڈر بننے کے لیے ذہانت، جسمانی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طاقت، بڑی برادری سے تعلق اور مالی طور پر صاحب حیثیت ہونا عموماً بنیادی شرائط ہوا کرتی تھیں۔ تاکہ وہ نہ صرف انتظامی امور کو بطریق احسن انجام دے سکے بلکہ اول یا قبیلے کے غریب اور نادار افراد کی کفالت کا بندوبست کرنے پر بھی قادر ہو۔ قازقوں میں انتظامی اور سیاسی عہدے -حالت جنگ کے استثناء کے ساتھ -غیر رسمی ہوا کرتے تھے۔

قبیلے سے اوپر کی سطح پر حکمرانی طبقہ اشرافیہ (وائٹ بون : چنگیزی نسل کے منگول شہزادوں) کے لئے مخصوص سمجھی جاتی تھی۔ سلطان، ماتحت خان اور مرکزی خان کے عہدے بالعموم اسی طبقے میں محدود رہتے تھے۔ ترک نسل کے قبائل کو بلیک بون (سیاہ نسل) کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اور بالعموم ان کے سرداروں کو سلطان، ماتحت خان وغیرہ کے القاب سے یاد نہیں کیا جاتا تھا۔ تاہم یہاں بھی استثنائی صورتیں موجود تھیں۔ بلیک بون کے ترک قبائل کا سردار بھی اگر عملی طور پر اپنی قائدانہ صلاحیتوں کو منوالیتا تھا تو اسے سلطان اور ماتحت خان کے لقب سے نوازنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کی جاتی تھی۔

شروع میں ژوز (لشکر) کی سطح کے سردار کو سلطان کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا تاہم جوں جوں اقتدار کی لامرکزیت ہوتی گئی انہوں نے اولاً ماتحت خان کا لقب اختیار کیا اور خان ابوالخیر کے بعد مختلف لشکروں میں آزاد خانیتوں کے ظہور کے بعد یہ اپنے اپنے لشکروں کے مستقل اور آزاد خان بن گئے۔ خان کے ماتحت متعدد ماتحت خان اور سلاطین ہوا کرتے تھے۔ سلاطین کے ماتحت بڑے بے ہوتے تھے اور بڑے بے کے ماتحت چھوٹے بے اور اقساقال ہوا کرتے تھے[۱۵۸]۔ قازقوں میں مملوک (غلام) بھی بعض دفعہ قائدانہ عہدوں تک (اپنی صلاحیتوں کی بنا پر) پہنچ جاتے تھے۔ بحیثیت مجموعی قازقوں میں طبقاتی نفرت یا طبقاتی شعور (class con-sciousness) تقریباً ناپید تھا[۱۵۹]۔

قازقستان میں اسلام کی آمد

عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ قازقوں کی اکثریت نے انیسویں اور بیسویں صدی میں زارینہ کیتھرین کی طرف سے ان کے علاقوں میں تاتار مسلم مبلغین بھیجے جانے اور ان میں دینی مدارس اور مساجد کی تعمیر کی حوصلہ افزائی کے نتیجے میں اسلام قبول کیا۔ اس نقطۂ نظر کو اس حد تک اچھالا گیا ہے کہ اسے ایک عالمی سچائی (universal truth) کے طور پر قبول کر لیا گیا ہے۔ وسطی ایشیا پر لکھنے والے سب مغربی مصنفین نے اسی نقطۂ نظر کا اظہار کیا ہے۔ درحقیقت مغربی مورخین کا زیادہ تر دارومدار روسی ماخذ پر رہا ہے۔ روسی تاریخ نویسی (russian histriog-

© rasailojaraid.com